87

اعتصام بحبل اللہ

بدظنی سے بچو

(فرمودہ ۲۵ ؍جون ۱۹۲۰ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورِ انور نے فرمایا:۔

"مَیں نے پچھلے بعض خُطبات میں اتفاق و اتحاد کے لیے جن اُصول کی نگہداشت کی ضرورت ہے بیان کیا تھا۔ اب اس مسئلہ کی تفصیل کی طرف اشارہ کر کے اس کو ختم کرتا ہوں۔ جو کچھ اب تک بیان ہوا وہ اصولی تھا۔ اب جزئی اور تفصیلی بیان ہوگا۔

اتفاق و اتحاد کو مٹانے والی کونسی باتیں ہیں۔ درحقیقت ان کی تفصیل مشکل ہے۔ کیونکہ دُنیا میں کوئی ایسا جُرم نہیں۔ جو خواہ اخلاقی جرم ہو یا شرعی کہ اس سے اتحاد کو خطرہ نہ ہو۔ اخلاقی جرم کو شرعی جرم سے علیحدہ کرنے کی یہ وجہ نہیں کہ اخلاق شریعت میں داخل نہیں۔ بلکہ شرعی جرائم سے مراد وہ جرائم ہیں۔ جو محض شریعت اسلام کے نزدیک جرم ہیں۔ اور اخلاقی وہ جرائم ہیں۔ جن میں اسلام کے ساتھ دوسرے مذہب بھی شامل ہیں۔ اور وہ مسائل بھی اخلاقی ہی کہلائیں گے۔ جو فطرت سے متعلق ہیں۔ مثلاً اسلام کہتا ہے چوری نہ کرو۔ چوری کرنا اخلاقی جرم تو اس لیے ہوگا کہ تمام مذاہب میں چوری سے منع کیا گیا ہے اور شرعی اس لیے کہ اسلام بھی چوری سے روکتا ہے۔ اسی طرح اسلامی شریعت حکم دیتی ہے کہ جُھوٹ نہ بولو۔ یہ شرعی جُرم ہے۔ کیونکہ اسلام اس سے روکتا ہے۔ مگر اخلاقی بھی ہے۔ کیونکہ سب مذاہب جھوٹ کے ترک کرنے کی تعلیم دیتے ہیں اس لیے یہ کہنا دُرست ہے کہ جھوٹ بولنا اخلاقی جرم ہے۔

اگر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام اخلاقی جرائم اور وہ جرائم جن سے فطرت نفرت کرتی ہے۔ ان سے نفرت کی بنا شرائع نے ہی ڈالی ہے۔ پہلے پہل ایک نبی نے پیش کیا کہ یہ باتیں بری ہیں۔ ان سے بچو اور تمام انسانوں نے قبول کر لیا۔ اس لیے یہ مسائل فطرت میں داخل ہو گئے۔ چونکہ یہ سب دُنیا کے نزدیک مسلّم

ہیں۔اس لیے یہ فطری مسائل ہیں۔

پس اتحاد کے لیے ضروری ہے کہ تمام جرائم سے بچنے کی کوشش کی جائے۔اور شریعت نے جو حکم دیئے ہیں۔ان پر عمل کیا جاوے۔کیونکہ بہت دفعہ اختلاف انہی باتوں سے پڑتے ہیں۔مثلاً شریعت کا حکم ہے کہ نماز پڑھی جائے۔اب اگر کوئی شخص سوال کرے کہ نماز نہ پڑھنے سے کیسے اتحاد ٹوٹ سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو یہ درست ہے کہ نماز پڑھنے والے پر نہ پڑھنے والے کا کوئی اثر نہیں پڑے گا مگر بالطبع اس کو وہ بُرا معلوم ہوگا۔اور وہ خیال کرے گا کہ یہ شخص خدا اور رسول سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔اور مگر باوجود دعویٰ محبت کے اس راہ کو چھوڑتا ہے۔جو پسندیدہ ہے یعنی نماز نہیں پڑھتا۔ اس لیے پڑھنے والے کو نہ پڑھنے والے سے نفرت ہو جائیگی۔یا ایک شخص روزہ نہیں رکھتا اور رکھنے والے پر نہ رکھنے والے کا کچھ اثر نہیں،لیکن جب وہ دیکھے گا۔کہ اس کے محبوب (خدا) کے احکام کی بے قدری کی جارہی ہے۔اور محبوب بھی وہ جس کی محبت کا مدعی بے قدری کرنے والا بھی ہے۔تو اس کو اس سے نفرت ہوجائیگی۔تو شرعی جرم بھی خواہ براہ راست دوسرے پر اثر نہ ڈالیں۔مگر ان کی وجہ سے محبت و تعلق اور اتحاد و اتفاق ٹوٹ جاتے ہیں۔

دوسرے اخلاقی جرائم ہیں۔ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔اول وہ جو خود اس انسان کی ذات پر اثر کرتے ہیں دوسرے وہ جو غیر پر بھی اثر ڈالتے ہیں۔جو جرائم مجرم پر ہی اثر ڈالتے ہیں۔یہ قدرتی امر ہے کہ ان کا ارتکاب کرنے والے شخص سے لوگ نفرت کریں گے۔کیونکہ جو کسی میں بُرائی دیکھے گا۔اس سے پیچھے ہٹے گا اور وہ جرائم جو دوسروں پر اثر ڈالتے ہیں۔ان سے بھی لوگ علیحدہ ہونگے۔مثلاً جو شخص قاتل ہے۔اس سے نفرت کی جائے گی۔جو غیبت کا عادی ہوگا اس سے نفرت ہوگی۔کیونکہ وہ اپنے اس فعل سے لوگوں میں لڑائی ڈلواتا ہے۔غرض جتنے اخلاقی عیب ہیں وہ سب ایسے ہیں کہ ان سے نفرت ہوتی ہے۔اور نفرت اتفاق کو توڑتی ہے۔

ان تمام اخلاقی جرائم میں جو اتفاق و اتحاد کو توڑنے والے ہیں۔بڑا جرم بدظنی ہے۔کوئی وجہ نہیں ہوتی۔یونہی خیال کر لیا جاتا ہے۔کہ فلاں شخص کا میرے متعلق یہ خیال ہے۔اور اس طرح اس سے عداوت کرنی شروع کر دی جاتی ہے۔یہ ایک ایسا مرض ہے جس کا یقینی نتیجہ بے اتفاقی ہوتا ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے جماعت احمدیہ کو چھوڑا۔اور جو کبھی جماعت احمدیہ کی طرف منسوب تھے۔اب ان میں احمدیت برائے نام ہے۔ان کی علیحدگی کی وجہ بدظنی ہی ہے۔اگر ان میں بدظنی نہ ہوتی۔تو وہ جماعت سے علیحدہ نہ ہوتے۔مجھے اچھی طرح یاد ہے۔کہ جس دن حضرت خلیفہ اول کی وفات ہوئی۔عصر کے بعد مولوی

محمد علی صاحب میرے پاس آئے۔ میں اس وقت سیر کو جا رہا تھا۔ اور کہا کہ میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ ہاں کیجیے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ خلافت کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے خلافت کی ضرورت جو میری سمجھ میں آئی بتائی۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت ایسے خلیفہ کی خلافت کو تسلیم کرنا جس سے اختلاف عقائد ہو مشکل ہے۔ اور اسی ضمن میں نبوت اور کفر کے مسائل پر بھی گفتگو ہوئی اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک یہ گفتگو ہوتی رہی۔ پھر میں نے مسجد میں ایک تقریر کی اور جماعت کو سب اختلافات چھوڑ کر دعاؤں کی طرف توجہ دلائی۔ اور میں نے اختلاف وغیرہ کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہ کہا کہ دعا کرو۔ کہ جو خدا کے علم میں ہمارے لیے مفید ہے وہ ہو جائے۔ میں لیکچر دے رہا تھا کہ مولوی صاحب گھبرائے ہوئے آئے۔ انہوں نے بھی وہاں تقریر کی اور وہ تقریر ایسی تھی کہ جنہوں نے وہ نظارہ دیکھا اور وہ تقریر سنی ہے۔ اس کو نہیں بھول سکتے۔ اس میں مولوی صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ یاد رکھو کہ میں اگر قادیان سے گیا تو اکیلا نہیں جاؤنگا۔ بلکہ ایک بڑی جماعت میرے ساتھ جائے گی۔ مگر وہ بہت بڑی جماعت جو مولوی صاحب کے ساتھ گئی۔ وہ ماسٹر فقیر اللہ صاحب اور مولوی صدرالدین صاحب تھے۔ پھر یہ بھی کہا کہ اگر میں بدنیت ہوں تو خدا مجھے ذلیل کرے۔ دیکھ لو دن بدن ان کو کونسی عزت حاصل ہو رہی ہے۔ یہ صبح کا واقعہ ہے۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنے دوستوں سے مشورہ کریں۔ اور میں بھی اپنے دوستوں سے مشورہ کرتا ہوں۔ پھر آپس میں گفتگو کرینگے۔ انہوں نے ظہر کے بعد کہلا بھیجا کہ ہم آتے ہیں۔ غرض وہ آئے۔ اور ان کے دوست ان کیساتھ تھے۔ میں نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا تھا۔ وہ بالعموم یہی رائے رکھتے تھے کہ جب ہم میں اور ان میں اختلاف ہے تو کس طرح ان میں سے کسی شخص کی بیعت کر سکتے ہیں۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ اسی طرح وہ بھی کہیں گے۔ تو اس سے تو اختلاف مٹ نہیں سکتا۔ اور لوگوں کو خواہ مخواہ کہنے کا موقع ملے گا کہ احمدی جماعت میں اتحاد نہیں۔ اور پھر جب ایک دوسرے کی بات ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہو سکتا۔ تو پھر اختلاف کیونکر دور ہو۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ اتحاد کا ٹوٹنا زیادہ خطرناک ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اللہ پر اس معاملہ کو چھوڑ دیں۔ وہ جو چاہے کرے۔ پھر میں نے اپنے رشتہ داروں سے بھی مشورہ کیا۔ ان میں سے بعض نے بھی یہی بات کہی۔ لیکن میں نے ان کو سمجھایا کہ جماعت میں اتحاد رہنا ضروری ہے۔ اس سوال کو اٹھانے کی ضرورت نہیں کہ کون خلیفہ ہو بلکہ اس کی ضرورت ہے کہ خلیفہ ہو۔ خواہ کوئی ہو۔ تاکہ جماعت میں اتحاد رہے میں نے تجویز یہ بتائی کہ اس اختلاف کو مٹانے کے لیے اول تجویز یہ ہے۔ کہ ہم کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنالیں جس کے اعتقادات اختلافی مسائل میں اب تک ظاہر نہ ہوئے ہوں۔ دوسری یہ ہے۔ کہ اگر کوئی ایسا شخص مل جائے۔ مگر اس کو ماننے کے لیے مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ساتھی تیار نہ ہوں۔ تو مولوی

صاحب کے ہم خیال لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلی جاتے۔اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مَیں نے آخری چارہ کار اس اختلاف سے بچنے کا یہ سوچ لیا تھا۔ اور اپنے دل میں فیصلہ کرلیا تھا۔ کہ اگر یہ صورت نہ ہوئی۔ تو مَیں اختلاف مٹانے کے لیے مولوی محمد علی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا۔

غرض جب اکٹھے ہوئے۔ تو پہلے یہی سوال ان کی طرف سے ہوا کہ خلیفہ ہونا چاہیئے کہ نہیں۔ اور پھر انہی کی طرف سے جواب دیا گیا کہ خلیفہ کی ضرورت نہیں مگر ہم خلافت کے قائل تھے اور ہمارے نزدیک یہ صورت فیصل شدہ تھی۔ مَیں نے کہا کہ چلو۔ مجمع میں پیش کر دیتے ہیں۔ مجمع جس کو چاہے۔ خلیفہ منتخب کرے۔ مولوی محمد علی صاحب نے بے اختیار کہا کہ آپ اس لیے کہتے ہیں کہ آپ جانتے ہیں کہ خلیفہ کس نے ہونا ہے۔ اس کے صاف معنے یہ تھے کہ تم نے منصوبہ کیا ہوا ہے۔ اور یہ ان کی محض بدظنی کا نتیجہ تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ کہ مَیں نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ مَیں اختلاف ہوتا دیکھنے کی بجائے جس شخص کو وہ پیش کریں۔ اس کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا۔ اور مَیں جانتا تھا کہ جب مَیں بیعت کروں گا۔ تو میرے دوست بھی بیعت کرلیں گے۔ لیکن مَیں نے یہ فیصلہ کرلیا تھا۔ کہ اگر میرے دوست اس بات پر آمادہ نہ ہوں۔ تو مَیں خود اختلاف سے بچنے کے لیے بیعت کرلوں گا، اگر دوست بھی قربان کرنے پڑیں تو مَیں قربان کر دونگا، لیکن ان کے دل میں یہ بدظنی تھی کہ مَیں خود ہی خلیفہ بننا چاہتا ہوں۔ اس لیے انہوں نے مخالفت کی۔ آخر وہی ہوا۔ جو خدا کو منظور تھا۔ خیر اگر ان کی بدظنی یہیں تک رہتی تو خیر تھی۔ یہ بدظنی دُور ہوسکتی تھی۔ مگر اب بدظنی یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے کہا کہ مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ اور پٹھان میرے مارنے کے لیے مقرر ہوگئے ہیں اس کے لیے انہوں نے پہرے مقرر کئے۔ آخر وہ یہاں سے چلے گئے۔ لیکن اگر وہ رہتے۔ تو اختلاف نے اس وقت تک اتنی ضد نہیں پکڑی تھی۔ ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل کو صاف کر دیتا۔ پاس کا رہنا۔ بدظنیوں کو دُور کر دیتا۔ مگر اب جبکہ وہ ضد میں بہت ترقی کر گئے ہیں۔ ایک جگہ رہنا مفید نہیں ہوسکتا، مجھے جب معلوم ہوا کہ ان کو ایسا خطرہ ہے۔ تو مَیں نے ان کو خط لکھا کہ مَیں نے سُنا ہے کہ آپ جانا چاہتے ہیں۔ مَیں ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ آپ یہاں رہیں۔ انھوں نے مجھ کو خط کے ذریعہ تو یہی جواب دیا کہ کیا مَیں قادیان کو چھوڑ سکتا ہوں چھُٹی کے دن باہر گزارنے جاتا ہوں، لیکن جب مَیں خود گیا۔ اور ساتھ نواب محمد علی خان صاحب کو لے گیا۔ تو انہوں نے بجائے میرے ساتھ باتیں کرنے کے میاں بگّا سے جو باہر پھر رہا تھا۔ باتیں شروع کردیں کہ سُنا میاں بگّا کیا حال ہے؟ کب آیا یہ ہے وہ ہے۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے باتیں کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ اس لیے مَیں چلا آیا۔ یہ تمام بدظنی کا نتیجہ تھا۔ جس میں مبتلا ہو کر انسان کہیں سے کہیں نکل جاتا ہے۔ مجھے اس کا بڑا تجربہ ہے۔ مَیں روز دیکھتا

ہوں۔ یہ ایک خطرناک مرض ہے۔ حضرت صاحب نے اس سے بچنے پر بہت زور دیا ہے۔ حضرت خلیفۃ اوّل کی تو ثلث زندگی اسی پر وعظ کرتے گزری۔ مَیں بھی تمہیں اکثر کہتا رہتا ہوں کہ بدظنی سے بچو۔ احمدی اور مسلم کیا۔ اور بدظنی کیا۔ ان کا آپس میں تعلق ہی کیا ہے۔ یونہی قیاس کر لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے جو فلاں بات کی ہے۔ وہ عداوت سے کی ہے اور یہ محض بدظنی ہے۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ آٹے میں نمک۔ مگر وہ سراسر نمک ہی ہوتا ہے۔ آٹا تو ہوتا ہی نہیں۔ ان کی بدظنی کی اکثر کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ اس سے بچو۔ یہ سب سے بڑی بیماری ہے۔ جو اتحاد واتفاق کو توڑ دیتی ہے۔

دوسری چیز جو اتحاد کو توڑنے والی ہوتی ہے۔ وہ عفو کی صفت کا موجود نہ ہوتا ہے۔ جرم تو ہوتا ہے مگر اس کو عفو کرنا بھی ایک کام ہے۔ جب دیکھتے ہیں کہ کسی سے غلطی ہوتی ہے۔ تو اس کو معاف نہیں کرتے۔ اس سے درگزر نہیں کرتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو تین دن تک غصہ کی وجہ سے نہیں بولتا۔ اس کا ہم سے تعلق نہیں[1] معمولی سی بات ہوتی ہے۔ اس پر گفتگو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور مدتوں آپس میں نہیں بولتے۔ اوّل تو مَیں نے بتایا ہے کہ بدظنی سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ دوسرے عفو اور درگزر کا نہ ہونا وہ خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ اگر بدظنی ہو بھی تو عفو سے کام لینا چاہیئے۔ ورنہ عفو کس غرض سے رکھا گیا ہے۔ سیاسی طور پر قطع کلام کرنا ایک سزا ہے۔ لیکن بے وجہ یا معمولی سی بات پر بولنا چھوڑنا ایمان میں کمزوری کی علامت ہے۔ اس کا نتیجہ شقاق وافتراق ہے۔ مَیں جانتا ہوں۔ ہمارے یہاں قادیان میں ایسے بعض لوگ موجود ہیں۔ جو مہینوں بلکہ سالوں سے آپس میں نہیں بولتے۔ اور پھر وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے عمل میں اور ان کے ایمان میں کوئی کمی نہیں۔ اور اس کا نتیجہ اسلام کے لیے کوئی خرابی پیدا نہیں کرتا۔ حالانکہ مَیں نے بتایا ہے کہ بعض گناہ ذاتی ہوتے ہیں کہ ان کا اثر محض اس شخص کی ذات تک ہوتا ہے۔ خواہ بالواسطہ دوسروں پر بھی اثر ڈالے۔ مگر یہ وہ گناہ ہے۔ جو براہ راست دوسروں پر بھی اثر ڈالتا ہے۔ ایسا شخص جو دوسروں سے گفتگو ترک کرتا ہے اسلام میں تفرقہ ڈالتا ہے۔ اور پھر وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ مَیں مسلم ہوں اور مخلص ہوں۔

اسلام کس چیز کا نام ہے خالی اس تعلیم کا نام نہیں۔ جو قرآن کریم میں ہے۔ بلکہ اسلام اس جماعت کا نام ہے جو اسلامی لواء کو اُٹھاتے ہوئے ہے۔ خالی کتاب کیا چیز ہے۔ اگر اس کی تعلیمات کا ظہور نہیں ہونا۔ یہ کتاب کیسے پھیلے۔ اگر اس کے جھنڈا بردار نہ ہوں۔ جب مسلمانوں نے اس گُر کو بھلا دیا۔ اور

---

[1] بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ

آپس میں محبت و وداد کم ہو گیا۔ تو دیکھ لو مسلمانوں کی کیا بُری گت ہوئی۔ جو شخص ترک گفتگو کرتا ہے۔ وہ اسلام پر حملہ کرتا ہے۔ دیکھو قرآن خُدا کے علم میں موجود تھا۔ مگر یہ دُنیا کے لیے مفید نہیں تھا۔ یہ اسی وقت فائدہ مند ہوا۔ جب خدا نے اسے اپنے ایک بندے کے ذریعہ دُنیا میں نازل فرمایا۔ پھر اس کو اُٹھانے والی ایک جماعت ہوئی۔ اور اس کی تعلیمات کو دُنیا میں پھیلایا۔ اس لیے ایسی جماعت میں تفرقہ ڈالنا اسلام میں فتنہ ڈالنا ہے۔ اس لیے اس راہ سے بچو جس پر چل کر اسلام پر حرف آتے۔

یہ دو باتیں خاص طور پر مدّنظر رکھنی چاہئیں (۱) بدظنی نہ ہو (۲) درگزر ہو۔ جب یہ دونوں باتیں مدّنظر ہوں تو پھر کبھی تفرقہ نہیں پیدا ہو سکتا۔ یاد رکھو تمہیں اپنے رشتہ داروں۔ عزیزوں کی نسبت اسلام سے زیادہ محبت ہونی چاہیئے۔ تم دیکھو کہ خدا رسول اور قرآن کدھر ہیں۔ بدظنی کو چھوڑ دیا کرو۔ اور عفو سے کام لیا کرو اس کی وجہ سے تمام اختلاف دُور ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اس بات کے سمجھنے کی توفیق دے۔"

(الفضل ۸ر جولائی ۱۹۲۰ء)